© rasailojaraid.com

مستشرقین کی تحقیقات کے مآخذ

ڈاکٹر حافظ محمود اختر*

مستشرقین نے اسلام، اسلامی تاریخ و تہذیب اور قرآن و حدیث کے شعبوں میں بہت سے اہم کام کیے ہیں۔ انہوں نے بہت سے مثبت کام بھی کیے، لیکن ان کی بہت سی کاوشیں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ایک منفی تصویر پیش کرنے پر صرف ہوئی ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ وہ تحقیق کے دوران بڑے غیر جانبدار ہوتے ہیں اور بڑی محنت کے بعد حقائق تلاش کرتے رہتے ہیں۔ وہ اس کا خوب چرچا کرتے ہیں کہ ان کا مقصد حقائق کی تلاش ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں مستشرقین کی اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں تحقیقات کا جائزہ لینا مقصود ہے کہ ان تحقیقات کا معیار اور مقام کیا ہے؟

ان لوگوں کی اسلامی موضوعات پر تحقیقات کی حقیقت کو جاننے کے لئے مندرجہ ذیل نکات پر روشنی ڈالی جائے گی۔ اسی کے نتیجے میں ان کی تحقیقات کے مقام کا تعین ہو سکے گا۔

(i) ان تحقیقات کا جذبہ محرکہ اور پس منظر کیا ہے؟

(ii) ان تحقیقات کے مقاصد کیا ہیں؟

(iii) جن مآخذ کی بنیاد پر یہ تحقیقات کی جاتی ہیں علم و تحقیق میں ان کا درجہ کیا ہے؟

(iv) تحقیق کے مسلمہ عالمی معیارات اور طریق تحقیق کے حوالے سے ان تحقیقات کی حیثیت کیا ہے؟

ڈاکٹر گیان چند اصول تحقیق کے بارے میں لکھتے ہیں: "تحقیق ایک ادبی مشغلہ ہی نہیں، یہ ایک مسلک، ایک ذہنی رویہ ایک طرزِ زندگی ہے۔ یہ سچ کا کاروبار ہے۔ محقق کو تحریر میں نیز روزانہ زندگی میں سچ کو اپنا شعار بنانا چاہیے۔۔۔ کسی دوسرے کی دریافت کو بغیر حوالے کے اپنا لینا بالفاظِ دیگر سرقہ کر لینا ایک غیر محققانہ کردار کا غماز ہے۔[1]

بے تعصبی کے حوالے سے ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں۔

---

* پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے مذہب، قوم، زبان، علاقے، فرقے، ادبی گروہ کسی کے لئے جانب داری نہیں ہونی چاہیے''۔ وہ لکھتے ہیں کہ محقق کو اس طرح کے کسی تعلق سے بالاتر ہو کر محض حقائق کی دریافت کے لئے غیر جانبدارانہ تحقیق کرنی چاہیے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''تحقیق غیر جذباتی ہونی چاہیے'' کسی محقق کو اپنے پسندیدہ یا ناپسندیدہ شخصیت سے بالاتر ہو کر تحقیق کرنی چاہیے۔ کسی بڑی شخصیت جسے وہ پسند کرتا ہے اگر دوران تحقیق اس کے خلاف کوئی بات معلوم ہو تو اسے ہرگز نہ چھپائے۔ اسی طرح اپنے استاذ، شاگرد یا کسی عزیز کی جانب داری نہ کرے۔۲

وہ لکھتے ہیں کہ تحقیق کی ابتداء میں جو مفروضہ قائم کیا ہے اگر دوران تحقیق اپنے مفروضے کے برعکس شواہد ملیں تو اپنے مفروضے سے دستبردار ہو جائے۔ محقق کی مبالغہ پسندی تحقیق کی راہ میں رکاوٹ بن جائے گی۔ ایسا نہ ہو کہ محقق جسے پسند کریں اسے آسمان پر چڑھا دیں جسے ناپسند کریں اسے بالکل کمزور قرار دیں۔ بات کو بڑھا چڑھا کر کہنے کی عادت نہیں ہونی چاہیے۔ محقق کو غیر جذباتی انداز سے لکھنا چاہیے۔۳

تحقیق میں تقلید کے حوالے سے گیان چند لکھتے ہیں:

''مذہب میں ایمان بالغیب اور بیعت جائز ہے تحقیق میں نہیں''۔

وہ اس سلسلے میں امام غزالی کی رائے اور اس رائے پر سرسید احمد خان کے تائیدی کلمات یوں نقل کرتے ہیں۔

''ہر محقق کو تحقیق لازم ہے اور اس پر تقلید حرام ہے پھر کیوں کر تحقیق، تقلید کے ساتھ ہو سکتی ہے'' یہ تو ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی کہے کہ تجھ پر دیکھنا واجب ہے مگر جو بتایا گیا ہے اس کے سوا مت دیکھ اور اسی کو تحقیق سمجھ اور جس چیز کو مشتبہ بتایا گیا ہے اسے مشتبہ ہی سمجھ۔

گیان چند، محسن الملک کا بھی بیان نقل کرتے ہیں جس میں وہ کہتے ہیں: تحقیق کرنے والے کو ہر چیز کی تحقیقات کے لئے ضروری ہے کہ جو کچھ لوگوں سے سنا ہو یا جو کچھ اس نے خود سمجھ رکھا ہو اس سے اپنے دل و دماغ کو خالی کر لے اور کسی کی حقیقت اور صحت پر پہلے سے یقین نہ کرے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لئے کہ وہ اگر ایسا کرے گا تو یا تو تحقیق کرنے پر اس کی توجہ نہ ہوگی، اس لئے کہ وہ اپنے خیالات کو یقینی باتیں سمجھ کر اپنے آپ کو مستشنیٰ سمجھے گا یا تحقیقات کرتے وقت اس کے ذہن میں ایسے توہمات اور خطرات پیدا ہوں گے کہ وہ اس کی تحقیق میں خلل ڈالیں گے۔

وہ لکھتے ہیں کہ اگر اس کے ذہن میں اپنے موضوع کے کسی پہلو کے بارے میں کوئی سنی سنائی باتیں موجود ہیں وہ انہیں پیش نظر رکھے لیکن وہ سنی سنائی باتوں سے کوئی فیصلہ کن بات ذہن میں نہ بٹھائے اور تحقیق جاری رکھے اور تحقیق سے اسے معلوم ہو جائے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ محقق کو کسی بھی تحریر یا بیان کو قبول کرنے سے پیشتر اس کا تجزیہ کرنا چاہیے وہ دو اور دو کو چار ہی کہے۔ جو کچھ جیسا ہے اسے جزئیات کے ساتھ ویسا ہی بیان کرے۔[4]

ان اصولوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے آئندہ سطور میں مستشرقین کی تحقیقات کا جائزہ لیا جائے گا۔

مستشرقین کی تحقیقات کا جذبہ محرکہ:

اسلام کے بارے میں مستشرقین کی تحقیقات کا پس منظر کیا ہے؟ اس سلسلے میں جب ہم ان کی اپنی کتابوں کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف انتقام کے جذبے سے لبریز ہیں۔ جنگِ مُوتہ اور بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ عیسائیوں کو کبھی برداشت نہیں ہوا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اسی سے عیسائیوں کے خلاف مسلمانوں نے جارحیت کا آغاز کیا۔[5] حالانکہ جنگِ مُوتہ خود عیسائیوں کی جارحیت کا نتیجہ تھی۔ لیکن حقائق سے قطع نظر عیسائیوں نے اپنے عوام کو ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اشتعال دلایا۔ اس کے بعد صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ وہ بھی درحقیقت عیسائیوں کی اشتعال انگیز ذہنیت کا نتیجہ تھیں۔ اس لئے عیسائیوں نے مسلم دشمنی کو اپنے عوام میں زندہ رکھنے کے لئے یہ موقف اختیار کر لیا کہ صلیبی جنگیں اب بھی جاری ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ہر اقدام کو صلیبی جنگوں کا تسلسل قرار دیا اور ایک طویل سرد جنگ شروع کر دی۔ حتیٰ کہ عالمگیر جنگ میں مسلمانوں کی شکست کے بارے میں تبصرہ کیا گیا کہ:

"Crusade won by all and sundry in the west". (6)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ: ''یہ صلیبی جنگوں میں سب کی کامیابی ہے''۔

Hendrik Van Loon اپنی کتاب (Tolerence) میں لکھتا ہے کہ ان دونوں مذاہب کے لوگوں نے ایک دوسرے کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ انہوں نے بارہ صدیوں تک ایک ایسی جنگ لڑی ہے جو ابھی تک ختم نہیں ہوئی۔ ۷

اسی نقطہ نگاہ کا اظہار پروفیسر P.K.Hitti ۸ اور بہت سے دیگر مستشرقین نے بھی کیا ہے جن میں Pringle Kenedy جیمز کریزک (James Kritzick)، رے منڈ لائل (Ray Mond Lull)، پوپ اربن II (Pope Urban II)، نورمن ڈینئیل (Norman Danial) آگے آگے ہیں۔ مستشرقین کے ذہنی پس منظر کے بارے میں ایڈورڈ سعید (Edward Said) لکھتے ہیں۔ استشراق کی تحریک کا اہتمام وانضباط بنیادی طور پر اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں ایک سیاسی ضرورت کے تحت ہوا اور استشراق کو مشرق پر اس وقت مسلط کیا گیا جب مشرق، مغرب سے مغلوب تھا۔ مشرق کے ضعف اور مغرب کی قوت نے بعض لازمی نتائج پیدا کئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ استشراق کی اصل اندرونی پالیسی اور ذہن میں چھپے ہوئے مقاصد ہمیشہ ایک ہی رہے ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ تبدیلی صرف اس کے ظاہری پہلوؤں میں آئی ہے۔ یہ مصنف لکھتے ہیں کہ استشراق کسی مثبت تعمیری رویہ اور دستور کا نام نہیں ہے بلکہ یہ مغرب کی جاری کردہ ایک مؤثر علمی روایت ہے۔ ۹

John Bagot Glugle لکھتا ہے۔

''گزشتہ تیرہ سو برسوں میں اسلام کو عیسائیت کا دشمن سمجھا جاتا رہا ہے۔۔۔۔ متعصب مذہبی لوگوں نے محمد ﷺ کی سیرت کو مسخ کر دیا ہے۔ مغربی مصنفین میں سے اگرچہ کوئی زیادہ مذہبی نہ بھی ہو تب بھی اس نے غیر شعوری طور پر مسلمانوں کے بارے میں پرتشدد تعصب ورثہ میں حاصل کیا ہوتا ہے۔ یہ تعصب یورپی معاشرے میں داخل ہو چکا ہے۔'' ۱۰

پروفیسر منٹگمری واٹ لکھتے ہیں۔

''اگر ہم ان غلطیوں کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں جو ماضی میں ہم نے ورثہ میں پائی ہیں تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمیں ہر معاملے میں ان کے (حضرت محمد ﷺ) خلوص اور دیانت کو بہر حال پیش نظر رکھنا ہو گا۔ جب تک کہ کوئی الزام ان کے خلاف ثابت نہ ہو جائے۔[11] Lootfy Levonian لکھتے ہیں کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان گزشتہ کئی صدیوں کے تعلقات Antagonism (دشمنی، تعصب) اور (Controversy) نزاع و جدل پر مبنی رہی ہے۔[12]

Dr. Henry Stubbe لکھتے ہیں۔

"Our Current hypothesis about Muhammad that he was a scheming impostor, a falsehood incornate, that his religion is a mere mass of quachery and fatuity, begins realy to be now untenable to any one. The lies, which wellmeaning zeal has heaped round this man, are disgraceful to ourselves only...."(13)

ترجمہ: "ہمارا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ نیا مفروضہ کہ وہ باقاعدہ نبوت اور قرآن کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے ہیں اور ان کا مذہب جھوٹا اور جاہلانہ دعوؤں کا مجموعہ ہے اب یہ سب باتیں حماقتیں سمجھی جانے لگی ہیں وہ جھوٹ جس کا بڑے شوق کے ساتھ اس شخص کے گرد ڈھیر لگا دیا گیا ہے، اور جو جھوٹوں کا ڈھیر لگانے کی ناکام کوشش ہے، یہ ہمارے لئے اب بے عزتی کا باعث ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

"It is realy time to dismiss all that the word this man spoke has been the life guidance now of a hundred and eighty millions of men these twelve hundred years."(14)

ترجمہ: یہی وقت ہے کہ اب ہم ان سب باتوں کو چھوڑ دیں اور دل سے نکال دیں اس ہستی نے جو الفاظ کہے وہ ایک سو اسّی ملین لوگوں کا بارہ سو سال سے زندگی گزارنے کے راہ نما اصول کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ (گویا محض جھوٹ اور جعلسازی اتنے طویل عرصے تک اس قدر انقلابی کردار ادا نہیں کر سکتی)۔ پھر وہ لکھتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"Alas such theories are very lamentable......... They are product of an age of secpticism; they indicate the saddest spiritual paralysis and mere death life of the sould of men: more godless theory, I think, was never promulgated in this earth."(15)

ترجمہ: افسوس ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں یہ سب نظریات اس قابل ہیں کہ ہم ان پر ماتم کریں یہ قیاس آرائیوں کے ایک دور کی پیداوار ہیں، ہمارے یہ خیالات ہماری بہت ہی زیادہ افسوس ناک روحانی فالج زدگی اور انسان کی روح کے مرجانے کا اظہار کرتے ہیں۔ میرے خیال میں زمین پر شائد ہی اس سے بڑا کوئی godless نظریہ پیش کیا گیا ہو۔

M.Watt نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مستشرقین قرآن اور اسلام کے بارے میں غیر متعصب نہیں رہ سکے۔

ترجمہ: مشکل یہ ہے کہ ہمیں ایک گہرا تعصب وراثت میں ملا ہے جس کا تعلق عہد وسطیٰ کے جنگی پروپیگنڈا سے جاملتا ہے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی سے عیسائی مغرب اسلام کے بارے چوکنا ہوا کہ ان کا بڑا دشمن ہے۔ جو اسے فوجی روحانی حلقوں میں ڈرا رہا تھا۔ بے حد خوف کی کیفیت میں عیسائیوں نے اپنے اعتماد کو غلط طور پر سہارا اس طرح سے دیا کہ دشمن کو جس حد تک ہو سکے زیادہ سے زیادہ ناموافق پوزیشن میں رکھا جائے۔ اسلام کے بارے میں جو تصور بارہویں اور تیرہویں صدی میں پیدا کیا گیا تھا اس نے یورپ کی فکر کو مغلوب کئے رکھا۔ بیسویں صدی کے نصف آخر میں بھی مغرب کی اسلام کے بارے میں اسی سوچ کے آثار موجود ہیں۔ ۱۶

Muhammad Imran اپنی کتاب The Distortions About Islam in the West میں لکھتے ہیں کہ ''صدیوں کی مخاصمت کے بعد اصولوں کی بنیاد پر اسلام کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اسلام ایک ایسی مقناطیسی طاقت ہے جو لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اس لئے اہلِ مغرب کو اسلام سے دور رکھنے کا سب سے بڑا طریقہ یہی ہے کہ زہریلا لٹریچر گردش کرتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہے اور اسلام کے بارے میں متعصبانہ پروپیگنڈہ کیا جائے۔اس سے وہ یہ مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کا اسلام کے ساتھ تعلق کمزور کر کے انہیں مغرب کا فکر ونظر دے دیا جائے''۔ ۱۷؎

Wilfred Cantwell Smith لکھتا ہے۔''اسلام کے خلاف مغرب کا عناد محض تاریخی اسباب پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ اس عناد کی اساس وہ بنیادی تناقض ہے جو دونوں تہذیبوں کے درمیان پایا جاتا ہے۔اسی تناقض کا نتیجہ ہے کہ جدید مغربی ذہن کو اکثر حقیقی اسلامی اقدار نہ صرف انتہائی غیر دلکش بلکہ صریحاً مہمل بے جوڑ نظر آتی ہیں۔ ۱۸؎

گستاد لی بان اس سلسلے میں لکھتا ہے۔''ہم اہلِ یورپ مسلمانوں کے بارے میں متعصب رہے ہیں۔اس کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ صدیوں کی عیسائی مسلم دشمنی سے موروثی اوہام وخیالات کی تہہ پر تہہ جمی رہی ہے۔اس لئے وہ ہمارے قومی مزاج کا جزولاینفک اور طبعیتِ ثانیہ بن گئی ہے۔اور ہماری فطرت میں رچ بس گئی ہے۔اس کے ساتھ ہی تعصب میں ڈوب کر ہم نے اس بات کا بھی انکار کرنا چاہا کہ ہمارے دورِ وحشت سے ہمیں نکالنے والے مسلمان ہی تھے۔اس دورِ وحشت سے نکالنے میں مسلمانوں کا احسان تسلیم کرنے کی بجائے ہم نے کہنا شروع کر دیا کہ ماضی میں علوم اور سائنس میں ہمارے محسن اور سب سے بڑا سرچشمہ یونان اور لاطینی علوم وادب تھے،تو ان دونوں باتوں کو تسلیم کرنا یورپ والوں کے لئے بہت ہی مشکل ہے۔'' ۱۹؎

تحقیق میں بالواسطہ مطالعہ اور تقلید:

اسلام کے بارے میں تحقیق کرتے ہوئے مستشرقین کی ایک بڑی تعداد نے براہِ راست اسلامی مآخذ سے استفادہ کی بجائے بالواسطہ مطالعہ اور تقلید سے کام لیا ہے۔قرآن مجید کے کسی پہلو پر کوئی رائے اختیار کرتے ہوئے اصول کا تقاضا ہے کہ براہِ راست قرآن مجید کا مطالعہ کیا جائے لیکن حقائق بتاتے ہیں کہ انہوں نے ایسا نہیں کیا۔قرآن مجید کا مطالعہ کرنے کے لئے قرآن کی زبان کو سمجھنا اور اس کا علم حاصل کرنا ناگزیر ہے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔انہوں نے اپنے ہم مذہب لوگوں کی کہی ہوئی باتوں کی بنیاد پر قرآن کو تنقید کا نشانہ بنا دیا۔ایک مستشرق نے اسلام کے بارے میں ایک نقطہ نگاہ پیش کیا۔اسی کے اختیار کردہ مفروضوں اور ظن وگمان کی بنیاد پر کہی ہوئی بات کو بعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والوں نے بنیاد بنالیا۔ایک شخص نے لاطینی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا اس کے بعد اسی سے لاطینی، جرمن اور انگریزی زبان میں تراجمے کیے گئے۔ اگر پہلے لاطینی ترجمے میں کوئی غلطی تھی تو بعد والوں کو چونکہ قرآن کی زبان سے واقفیت نہ تھی اور انہوں نے قرآن کا براہِ راست مطالعہ بھی نہیں کیا تھا اس لئے غلطی پہ غلطی کر دی گئی۔ اگر ان کی تحقیق کی عمارت کی پہلی اینٹ ٹیڑھی تھی تو اس پر آئندہ ٹیڑھی دیوار ہی تعمیر کر دی گئی۔

عربی زبان پر دسترس کی مناسبت سے سید سلیمان ندوی نے مستشرقین کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

1. وہ مصنفین جو عربی ماٰخذ اور عربی زبان سے واقف نہیں۔ ان کا سرمایہ معلومات دوسروں کی تصانیف اور تراجم ہیں۔ ان کا کام صرف یہ ہے کہ مشتبہ اور نامکمل مواد کو قیاس اور میلان طبع کے مطابق ڈھال کر دکھائیں۔

2. ایک گروہ وہ ہے جو عربی زبان اور علم وادب، تاریخ وفلسفہ اسلام کے بہت بڑے ماہر ہیں۔ لیکن مذہبی لٹریچر اور سیرت کے فن سے ناآشنا ہیں۔ ان لوگوں نے سیرت یا اسلام پر کوئی کتاب نہیں لکھی، لیکن ضمنی طور پر عربی دانی کے زعم میں اسلام اور شارع اسلام کے متعلق نہایت دلیری کے ساتھ جو کچھ چاہتے ہیں کہہ دیتے ہیں۔ مثلاً نولڈیکے Noldeke نے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالے میں خوب زہر افشانی کی۔

3. مستشرقین کا تیسرا گروہ وہ ہے جس نے خالص مذہبی لٹریچر کا خاصا مطالعہ کیا ہے مثلاً پالمر (Palmer) اور مارگولیتھ (Margoliouth) نے اسلام کا خاصا مطالعہ کیا۔ مارگولیتھ نے مسند احمد پر وہ کام کیا کہ کوئی ہمعصر اس کی برابری نہیں کر سکتا۔ لیکن حضورؐ کی سوانح لکھتے ہوئے اس نے کذب بیانی اور افتراء سے کام لیا کہ اس سے زیادہ بدتر مثال شاید کہیں نہ مل سکے۔ اسی طرح اسپرنگر (Spranger) نے الا صابہ فی تمییز الصّحابہ کی تصحیح کر کے کلکتہ سے چھپوائی۔ لیکن حضورؐ کی سوانح لکھتے وقت اس کے تعصب کو دیکھ کر دنیا حیران رہ گئی۔[۲۰]

خود مستشرقین کے اعترافات اور تحقیقات کی روشنی میں اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ مستشرقین کی بہت بڑی تعداد نے تقلید کی راہ اختیار کی ہے مثلاً نولڈیکے (Noldeke)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو اہلِ مغرب میں ایک بلند مقام حاصل ہے اس نے "Sketches from Eastern History" لکھی۔اس کتاب کو اہلِ مغرب بلند پایہ کتاب سمجھتے ہیں۔لیکن اس میں اس نے ولیم میور (W.Muir) اور وائیل (Weil) ہی کی تقلید کی ہے ۲۱۔ 1860ء میں ولیم میور نے قرآن مجید کی سورتوں کو نزولی ترتیب سے مرتب کیا، 1894ء میں Hughes نے اسی کا حوالہ دیا ۲۲ پھر 1958ء میں رچرڈ بل نے اپنی تحقیق کی بنیاد اسے ہی بنایا۔ ۲۳

ناقص مآخذ:

مغربی زبانوں میں سب سے پہلے قرآن مجید کا لاطینی میں ترجمہ ہوا۔ سب سے پہلے مترجم Rotensis Robertus اور Harmammus تھے۔انہوں نے ترجمہ تو 1143ء میں کیا لیکن یہ 1543ء میں طبع ہوا۔اس ترجمے کو 1647ء میں Andra' du Ryer نے فرانسیسی میں منتقل کیا۔ یہ شخص مصر میں فرانس کا کونسل تھا۔ اس ترجمے کے بارے میں جارج سیل (George Sale) کہتا ہے کہ اس کے ہر صفحہ پر اغلاط موجود ہیں اس میں ترتیب کے اعتبار سے بھی فروگزاشتیں ہیں۔ اس ترجمے کو 1688ء میں الیگزینڈر اس (Alexonder Ross) نے انگریزی میں منتقل کیا۔انگریزی زبان میں اگرچہ یہ اولین ترجمہ ہے لیکن یہ براہِ راست قرآن سے کیا گیا ترجمہ نہ تھا۔جس ترجمے سے یہ ترجمہ کیا گیا جب اس میں غلطیاں تھیں تو ظاہر ہے وہ اغلاط اس انگریزی ترجمے میں بھی موجود ہوں گی۔(۲۴) اس طرح Savary نے اس ترجمے کو قابلِ نفرت قرار دیا(۲۵)۔جارج سیل نے بھی اس ترجمے کو ناقص قرار دیا۔(۲۶) بعد میں جو ترجمے معرض وجود میں آئے ان کی اصل بنیاد ایک لاطینی ترجمہ ہے جو Luouic Maracci نے 1698ء میں کیا تھا، 1734ء میں جارج سیل نے اسی ترجمے کی مدد سے قرآن کا ترجمہ کیا۔اس کے بعد مستشرقین نے جارج سیل ہی کے ترجمے کو بنیاد بنایا۔(۲۷) جارج سیل کا ترجمہ بھی اغلاط سے بھرا ہوا ہے۔ خود مستشرقین نے اس ترجمے پر بہت تنقید کی ہے۔ E.Dennison Ross لکھتا ہے۔

"It is difficult to decide to what extent Mr. Sale's citation in

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

the notes represent first hand use of the arabic commentators, but I fear that result of a close inquiry only points to very bitter original research on his part."(28)

''یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ مسٹر سیل نے کس حد تک عربی دان مفسرین سے استفادہ کیا ہوگا۔ مجھے خدشہ ہے کہ اگر بڑے قریب سے جائزہ لیا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ اس ترجمے میں اس کی ذاتی ریسرچ کو بہت کم عمل دخل ہے''۔

Dennison Rose لکھتا ہے کہ:

''جارج سیل کی تحریرات جو ایک ضخیم جلد پر مشتمل ہیں ان میں شائد ہی کوئی مفید بات موجود ہو۔ یہ تحریرات بے مقصد ہیں۔ یہ اکثر اوقات غیر تسلی بخش، غیر متعلق، گستاخانہ اور بے محل ہیں۔ یہی مستشرق، جارج سیل کی تحریرات کے بارے میں کہتا ہے۔

"I do not wish to imply that Sale did not know arabic but I do maintain that his work as it stands, gives a misleading estimate of his original researches, and that his tributes to Marracci falls for short of his actual indebatedness."(29)

ترجمہ: ''میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ سیل عربی زبان نہیں جانتا تھا۔ لیکن یہ بات ضرور وثوق سے کہوں گا کہ اس کا یہ کام اس کی ذاتی تحقیق کا ایک گمراہ کن اندازہ پیش کرتا ہے اور مراکی کو اس کا خراجِ تحسین پیش کرنا اس کے اصل زیرِ احسان ہونے کے حوالے سے بہت ہی ناکافی ہے۔ گویا اس نے مراکی سے بہت استفادہ کیا ہے اور اس کی ذاتی تحقیقات کا عمل دخل بہت تھوڑا ہے''۔

جارج سیل کے قرآن مجید کے بارے میں کام کے حوالے سے پالمر Palmer لکھتا ہے:

"From the large amount of exegitical matters which has in his (Mr. Sales's) text and from the been incorporated style of language employed, which differs widely from

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

nervous energy and rugged simplicity of the original, his (Sale's) work can be scarcely be regarded as a fair respresentation of the Quran."(30)

ترجمہ: ''بہت سارے تفسیری مواد میں سے جو کہ سیل کے ترجمہ میں شامل کر دیا گیا ہے اور جو زبان سیل کے ترجمہ میں استعمال کی گئی ہے اس کے اسلوب و انداز کے کھردرا پن اور غیر ہموار سادگی کی بنیاد پر اسے قرآن کا نمائندہ نہیں کیا جا سکتا۔

Lane Poole کہتے ہیں کہ یہ ترجمہ چونکہ باقی تراجم سے ایک سو برس پہلے کا ہے، اس لئے اسے اس اعتبار سے دیگر تراجم پر ایک فوقیت حاصل ہے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اس کے معائب کا بھی ذکر کرتا ہے۔

"But it is an insufferably dull one, it is difficult to read, and impossible to understand, Sale's Quran, if to understand is to grasp the drift and character of a book, and Sale's wellmeaning but prosaic work must be laid much of the responsibility for the prevailing distaste for the Koran."(31)

ترجمہ: ''لیکن یہ ترجمہ بڑا ناقابلِ برداشت حد تک نفرت دلانے والا، بے کیف اور پھیکا ہے۔ اسے پڑھنا مشکل ہے، اسے سمجھنا ناممکن ہے۔ سیل کے ترجمے کی حقیقت کو یوں سمجھیں کہ ایک کتاب کے رخ اور اس کے کردار کو سمجھنے کے لئے ہیلیکیہ ترجمہ بے کیف ہے اور اسے قرآن کے بارے میں مغرب والوں کی بے ذوقی کا سبب سمجھا جا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی بہت سے لوگوں کے بیانات سے یہ بات واضح کی جا سکتی ہے کہ جارج سیل کے ترجمہ میں بہت سی اغلاط تھیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کے باوجود اہلِ مغرب نے اس ترجمے کو بنیاد بنائے رکھا۔ کچھ عرصہ پہلے تک اس کے تیس ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ لوگ اس سے بہت استفادہ کرتے ہیں۔ اسی ترجمے کو بعد میں 1742ء میں ڈچ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں، 1764ء میں جرمنی میں، 1750ء کو فرانسیسی میں، 1792ء میں روسی زبان میں، 1814ء میں سویڈش میں اور 1902ء میں بلغارین زبان میں منتقل کیا گیا۔ اس کے بعد بھی بہت سے انگریزی تراجم سامنے آئے جو یا تو جارج سیل کے تراجم یا دیگر تراجم کی بنیاد پر معرض وجود میں آئے۔۳۲

جارج سیل کے ترجمہ کے بارے میں لین پول (Lane Poole) نے بھی لکھا ہے کہ بہت سے اہلِ مغرب نے اسے تحقیقات کی بنیاد بنایا اور کئی ایک لوگوں نے اس پر تنقید کی ہے۔ اس تنقید کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ اس میں بہت سی غلط معلومات موجود تھیں کہ اس کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ وہ لکھتا ہے:

"Sale's translation has hither to been practically the source of our knowledge, or ignorance of the Koran in England."(33)

سیل کا ترجمہ عملی طور پر اب تک انگلستان میں قرآن کے بارے معلومات یا ہماری لاعلمی کا ذریعہ رہا ہے۔

گویا مغرب میں قرآن کے بارے میں معلومات مہیا کرنے کا ذریعہ سیل کا ترجمہ ہے جب اس بنیادی منبع (Source) میں اس قدر خامیاں موجود ہیں تو پھر مغرب کی قرآن کے بارے میں معلومات کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے اور اس ترجمہ کی بنیاد پر کی گئی آئندہ تحقیقات کی حیثیت کیا ہو سکتی ہے۔

ناقص مآخذ کے بارے میں مستشرقین کا اعتراف:

اسلام کے بارے میں مستشرقین کی تحقیق کے معیار اور حقیقت کو جاننے کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ خود ان میں سے معتدل مزاج اس تحقیق کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں، اس سلسلے میں E.Dennison Ross لکھتے ہیں۔

"For many centuries the acquantance which the majority of Europeans possesed of Mohammadanism was based almost entirely on distorted reports of fanatical christians

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

which led to the dissemination of a multitude of gross caluminies. What was good in Mohammadanism was entirely ignored and what was not good, in the eyes of Europe, was exaggerated or misinterpreted."(34)

ترجمہ: ''کئی صدیوں سے اسلام کے بارے میں اہلِ یورپ کی اکثریت کی معلومات کی بنیاد تقریباً مکمل طور پر ان مسخ شدہ رپورٹوں پر تھی جو متعصب عیسائی تیار کرتے تھے۔ یہ رپورٹیں اسلام کے بارے اختراع کردہ گمراہ کن افواہوں کے ایک مجموعے کی طرف راہنمائی کرتی ہیں (جو اسلام کے بارے میں گمراہ کن افواہوں کا مجموعہ تھیں) جو چیز اسلام میں اچھی تھی اسے مکمل طور پر نظر انداز کر دیا گیا اور مغرب کی نگاہوں میں جو چیز اچھی نہ تھی اسے خوب مبالغہ آرائی سے پیش کیا گیا یا اس کی غلط تشریح و توضیح کر دی گئی''۔ ۳۵؎ S.P.Scott اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"The Monkish annals of the middle ages are motoriously unreliable; the minds of their authors were clouded with ignorance and wraped with prejudice; the critical faculty, so indispensable to the correctness of historical narration, was unfamiliar to them; and to accomplish the degradation of an enemy or the exaltation of a friend, they were capable of the most disreputable inventions and the most extravagant perversions of the truth."(36)

قرونِ وسطیٰ کے عیسائی ذرائع بدنام حد تک نا قابلِ اعتبار ہیں۔ ان لوگوں کے دماغ کے گرد جہالت و لاعلمی کے بادل تھے اور یہ خیالات تعصب میں لپٹے ہوئے تھے۔ تنقید کی صلاحیت جو کہ تاریخ بیان کرنے کے لئے ضروری ہوتی ہے، یہ لوگ اس سے بالکل نا آشنا تھے۔ وہ دشمن کو بدنام کرنے، اپنے ساتھیوں کے مقام کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے میں اور disreputeable باتیں ایجاد کرنے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑی مہارت رکھتے تھے۔اور اس سلسلے میں وہ حقائق کو بڑے فراخدلانہ انداز سے مسخ کر سکتے تھے۔

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی نے اپنی کتاب ''السنة و مکانتها فی التشریع الاسلامی ''میں مستشرقین سے براہِ راست ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے۔ان ملاقاتوں میں مستشرقین کے بارے میں یہ اعتراف کیا گیا کہ مستشرقین اسلام کے بارے میں غیر جانبدار نہیں رہ سکے نیز ان کی اسلام کے بارے میں معلومات بھی ادھوری اور ناقص ہیں،اور انہوں نے جان بوجھ کر مسلمانوں کے بارے میں تعصّب کا مظاہرہ کیا ہے۔مانچسٹر یونیورسٹی کے پروفیسر رابسن (Robson) نے تاریخ حدیث کے موضوع پر کتاب لکھی اس میں اس نے اعتراف کیا کہ مسلمانوں کے بارے میں مستشرقین انصاف نہیں کر پائے۔جب اس پروفیسر کے سامنے نشاندہی کی گئی کہ گولڈ زیہر سے کئی ایک غلطیاں سرزد ہوئی ہیں تو اُس نے اعتراف کیا کہ اُس وقت اس کے پاس اسلامی مآخذ کے بارے، میں اس قدر لٹریچر موجود نہ تھا۔لیکن اب اس طرح کا لٹریچر دستیاب ہو چکا ہے۔اس پروفیسر نے اُمید ظاہر کی کہ آئندہ ان غلطیوں کا اعادہ نہیں ہوگا۔ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی نے سویڈن کی ایک یونیورسٹی کے پروفیسر نیبرج کا بیان بھی نقل کیا ہے کہ مستشرقین غلطیوں کا ارتکاب کرتے رہے ہیں اور کہتے رہے ہیں کہ ان کا ازالہ کیا جائے گا۔اس نے کہا کہ ماضی میں واقعی گولڈزیہر مستشرقین کا مرجع بنا رہا ہے۔لیکن اب کتب چھپ چکی ہیں اور اب گولڈزیہر کا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔۳۸

قرآن میں تحقیق کے دوران مستشرقین کی تہی دامنی:

قرآن مجید کے بارے میں تحقیق کرتے اور اس کے بارے میں کوئی رائے دیتے ہوئے قرآن کی زبان کا گہرا علم رکھنا ضروری ہے۔قرآن مجید کی زبان ،فصاحت و بلاغت،اس کا اسلوب ،اس کے معانی کی گہرائی اور گیرائی کے کمالات پر اہلِ علم اظہارِ خیال کرتے چلے آ رہے ہیں اور ان پہلوؤں پر سینکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کی فصاحت و بلاغت کی حقیقت کو ہر کس و ناکس نہیں سمجھ سکتا۔جس طرح کسی ہیرے اور موتی کی قیمت کو ہر کوئی نہیں سمجھ سکتا اس کی قیمت کو جاننے کے لئے جوہری ہونا ضروری ہے۔کوئی قیمتی ہیرا اور جوہر کسی لاعلم کے لئے ایک پتھر کی حیثیت رکھتا ہے لیکن جوہری پتھر اور جوہر کے درمیان فرق کر لیتا ہے اسی طرح قرآن کی زبان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی بلندیوں کو جاننے کے لئے اس کی زبان میں مہارت حاصل کرنا ضروری ہے۔ اتنی بات تو بڑی آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ عربی زبان جانے بغیر قرآن کے اسلوبِ بیان پر اعتراض کرنا اور کہنا کہ قرآن کے اسلوب میں معائب موجود ہیں، کس حد تک بلا جواز ہے۔

ہر زبان ،کسی قوم کی تہذیب ،آدابِ معاشرت اور مخصوص مزاج کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ جب تک ان عوامل کا مطالعہ نہ کیا جائے اس وقت تک وہ زبان محض گرامر کے بارے میں چند باتیں جان لینے تک ہی محدود رہتی ہے۔ قرآن کریم کا مطالعہ تو خاص طور پر ایسا ہے کہ اس کی حقیقت کو محض عربی دانی سے سمجھنا ناممکن ہے۔ مستشرقین کی ایک تعداد تو عربی سے واقف نہیں ہے جو عربی جانتے ہیں وہ بھی محض زبان جاننے تک ہی محدود ہیں۔

قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے حدیث نبویؐ کا جاننا بھی ضروری ہے۔ قرآن اجمال ہے اور حدیث اس اجمال کی شرح و تفصیل ہے۔ جس طرح قرآن کو سمجھنے کے لئے بہت سے علوم کا علم ضروری ہے ورنہ معاملہ صرف قرآن کی عربی کا ترجمہ اور گرامر سمجھنے تک ہی محدود رہے گا اسی طرح قرآن کی تشریح کے لئے محض حدیث کی عربی عبارت کو پڑھ لینا ہی کافی نہیں ہوگا بلکہ اس کے لئے درجن بھر علوم کا جاننا بھی ضروری ہے۔ مستشرقین سے یہ بات کہاں تک متوقع ہو سکتی ہے کہ وہ قرآن کو سمجھنے کے لئے حدیث کا علم تمام لوازمات و تقاضوں کے ساتھ سیکھیں پھر حدیث کو سمجھنے کے لئے علم جرح و تعدیل، علم اسماء الرجال وغیرہ علوم کو جاننے کی کوشش ہی کریں گے یہ علوم ان کی قسمت میں کہاں لکھے ہیں؟ ان علوم کو جاننے کے لئے حدیث کے ساتھ خصوصی محبت و شغف کی ضرورت ہے جس کا امکان مستشرقین سے نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ قرآن کی حقیقت کو حدیث کے بغیر سمجھا نہیں جاسکتا ہے۔ ۳۹

قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے جن لوازمات کی ضرورت ہے، مستشرقین ان سے تہی دامن ہیں چنانچہ انہیں قرآن سمجھنے میں جا بجا غلطیاں لگی ہیں۔ محمد خلیفہ اپنی کتاب میں مستشرقین کی کوتاہ علمی اور غلطیوں کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

وہ یہ نہیں جان پاتے کہ قرآن میں ایک جگہ جو عربی لفظ استعمال ہوا ہے اس جگہ اس کا کون سا معنی مراد ہے۔ عربی زبان میں مضامین کی ادائیگی اور معانی میں چھوٹے چھوٹے فرق کو ظاہر کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لئے الگ الگ الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ یہ بات عربی زبان اور دیگر علوم کا ماہر ہی طے کر سکتا ہے کہ ان مختلف معانی میں سے کون سا معنیٰ زیادہ مناسب ہے۔ مستشرقین ان علوم سے محروم ہیں اس لئے وہ اپنے محدود علم کے مطابق ایک معنیٰ مراد لیتے ہیں اور اصل معانی جاننے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ان لوگوں کو تو اپنے محدود علم کی بنا پر صرف ایک ہی معنیٰ کا علم ہوتا ہے۔ قرآن میں کسی جگہ کسی لفظ کے مختلف معانی میں سے کسی ایک معنیٰ کا تعین بعض اوقات بڑا نازک اور حساس ہوتا ہے۔ امکان ہو سکتا ہے غلط معنیٰ مراد لے کر قرآن کا مفہوم بالکل الٹ دیا جائے اور مضمون کیا سے کیا بن جائے۔ محمد خلیفہ لکھتے ہیں کہ ان لوگوں کے پاس عربی کا علم بڑا محدود ہوتا ہے اور عربی الفاظ کے معانی جھوٹ اور تخلیقات کی بنیاد پر کرتے ہیں۔[۴۰]

تحقیق میں غیر جانبداری کا فقدان:

مستشرقین اسلام کے بارے میں تحقیقات کے دوران غیر جانبدار نہیں رہ سکے۔ وہ واضح عبارات کو نئے مطلب اور مقصد کے مطابق معانی پہناتے ہیں۔ وہ اپنے مقصد کو اور پہلے سے طے شدہ نتائج ثابت کرنے اور اپنے مطلب کے برعکس حقائق کو جھٹلانے میں بڑی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ جس واضح عبارت کو چاہتے ہیں قبول کر لیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں رد کر دیتے ہیں بلکہ واضح عبارات میں تحریف کر ڈالتے ہیں۔[۴۱]

صفحہ ایک سے صفحہ پانچ تک پیش کئے گئے حقائق سے بھی اگرچہ اسی پہلو پر روشنی پڑتی ہے کہ تحقیق میں غیر جانبداری کا بڑا دارومدار اس بات پر بھی ہوتا ہے کہ تحقیق کن مقاصد کے تحت عمل میں لائی جا رہی ہے اور جس مسئلے کے بارے میں تحقیق ہو رہی ہے اس بارے میں محقق پیش از تحقیق کسی جانبداری اور تعصب کا شکار تو نہیں ہے۔

مستشرقین کی کتب سے بیسیوں ایسی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اسلام، حضورؐ اور قرآن کی اصل تصویر کو مسخ کرنے کی دانستہ کوشش کی ہے۔ "Religions of the World" کے مصنف G.L. Berry لکھتے ہیں۔

☆ محمدؐ ہجرت کر کے طائف چلے گئے۔ جب وہاں بھی کوئی شخص مسلمان نہ ہوا تو آپؐ واپس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آنا چاہتے تھے۔اس لئے انہوں نے واپس مکہ آنے کی درخواست کی۔ یہ درخواست اس شرط پر قبول کی گئی کہ آپ آئندہ اسلام کی تبلیغ نہیں کیا کریں گے۔لیکن پہلے شرط مان لینے کے باوجود آپؐ نے بعد میں اس شرط پر عمل نہیں کیا۔۴۲

☆ یہی مستشرق کہتا ہے۔

ابتداء میں محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس امید سے کہ یہودی، مسلمان ہو جائیں گے ان کے ساتھ سازگاری کی پالیسی اپنائی۔لیکن جب دیکھا کہ وہ تو قریب نہیں آ رہے تو آپؐ نے اپنی پالیسی فوراً بدل لی اور لوگوں سے کہہ دیا کہ بیت المقدس کی بجائے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو۔۴۳

☆ یہی مستشرق آگے چل کر لکھتا ہے۔

محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو فنڈز (Funds) کی ضرورت تھی۔ان کے ساتھ جو لوگ تھے وہ بھی زراعت میں مہارت نہیں رکھتے تھے۔اس لئے انہوں نے تجارتی قافلوں کو لوٹنے کے لئے چھاپے مارنے شروع کر دئے۔اور محترم مہینوں کا بھی احترام کئے بغیر اپنے مخالفین کو شہر سے باہر نکال دیا۔اس کی وجہ سے عرب میں ''مقدس جنگ'' چھڑ گئی۔۴۴

محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم نے لوگوں کو جذباتی جنگ جُو بنا دیا۔انہیں لالچ دیا کہ اگر وہ جنگ میں مارے گئے تو انہیں جنت ملے گی۔۴۵ اس مستشرق کی معلومات کے نقص کی انتہا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات مکّہ میں ہوئی۔اس کے الفاظ ہیں۔

"He returned to Mecca as the Holy city, and died there the following year."(46)

مستشرقین کی تحقیقات کی حقیقت:

مستشرقین کی اسلام کے بارے میں تحقیقات کی اصل حقیقت کو علامہ اقبال کے ایک بیان کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے۔کسی نے ان سے اسلامیات کی اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان جانے کے بارے میں مشورہ لیا تو آپ نے جواب دیا۔

''جہاں تک اسلامی ریسرچ کا تعلق ہے، فرانس، جرمنی، انگلستان اور اٹلی کی یونیورسٹیوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اساتذہ کے مخصوص مقاصد ہیں جنہیں عالمانہ تحقیق اور احقاق حق کے ظاہری طلسم میں چھپایا جاتا ہے۔سادہ لوح مسلمان طالبعلم اس طلسم میں گرفتار ہو کر گمراہ ہو جاتا ہے۔''

علامہ اقبال گولڈزیہر کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''مجھے گولڈزیہر کی کتابوں میں کوئی خاص بات نظر نہیں آئی۔ میں یورپی مستشرقین کا قائل نہیں، کیونکہ ان کی تصانیف سیاسی پروپیگنڈہ یا تبلیغی مقاصد کی تخلیق ہوتی ہیں۔''

آرنلڈ علامہ اقبال کے اُستاد تھے۔ان کی وفات پر علامہ کو بڑا صدمہ ہوا،لیکن ان کے بارے میں بھی اقبال لکھتے ہیں۔

''اسلام! اسلام سے آرنلڈ کا کیا تعلق؟ اس قسم کی کتابوں پر مت جاؤ۔آرنلڈ کی وفاداری صرف خاک انگلستان سے تھی۔۔۔۔۔۔ بلکہ اگر سیاسی اعتبار سے دیکھا جائے تو آرنلڈ کیا ہر مستشرق کا علم وفضل وہی راستہ اختیار کر لیتا ہے جو مغرب کی ہوس،استعمار اور شہنشاہیت کے مطابق ہو۔(۴۷)

مستند اور غیر مستند مآخذ میں فرق کا فقدان:

جہاں تک مستشرقین کے مآخذ کا تعلق ہے،یہاں بھی یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کے ہاں (مسلمانوں کے برعکس) مآخذ کے مستند یا غیر مستند ہونے کے بارے میں فرق و امتیاز روا نہیں رکھا گیا۔اگرچہ تحقیق کے جدید وقدیم اصولوں میں مآخذ کی تقسیم کی گئی ہے (بنیادی، ثانوی مآخذ)۔اور بنیادی مآخذ سے ہی استفادہ کرنے پر زور دیا گیا ہے،لیکن اسلام کے بارے میں تحقیق کرتے ہوئے مستشرقین نے ان اصولوں کا چنداں خیال نہیں رکھا۔ بلکہ اسلام کے بنیادی ڈھانچے پر اعتراضات کرتے ہوئے تو انہوں نے مسترد شدہ روایات سے استفادے سے گریز نہیں کیا۔اس سے بھی بڑھ کر وہ ضعیف اور مسترد شدہ روایات کو محض اس لئے اپنی تحقیقات کی بنیاد بنا لیتے ہیں کہ ان سے ان کا مقصد پورا ہو رہا ہوتا ہے۔اور اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کے مسلمہ حقیقت کا بلا تکلف انکار کر دیتے ہیں۔وہ مستند روایات سے اس طرح آنکھیں بند کر لیتے ہیں کہ گویا ان کے نزدیک ان روایات کا وجود ہی نہ ہو۔یہ لوگ ادب (لٹریچر) کی کتاب میں موجود کسی بات کو تو اس لئے مان لیتے ہیں کہ اس سے ان کا اپنا مقصد پورا ہوتا ہے لیکن مستند کتاب کی مستند روایت کو اپنے نقطہ نگاہ کے برعکس سمجھتے ہوئے نظر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انداز کر دیتے ہیں۔ ۴۸ ؎

مستشرقین کی تحقیقات کا ایک مضحکہ خیز پہلو یہ ہے کہ ان کے ہاں قابلِ اعتبار اور نا قابلِ اعتبار مآخذ کے درمیان کسی فرق و امتیاز کا کوئی تصور نہیں ہے۔ مثلاً وہ ادب کی کتابوں سے تاریخ حدیث میں فیصلے کرتے ہیں۔ تاریخ کی کتابوں سے اقتباسات لے کر تاریخ فقہ میں حکم لگاتے ہیں۔ الدمیری کتاب الحیوان میں جو بات نقل کرتے ہیں یہ لوگ اسے تو صحیح تسلیم کرتے ہیں لیکن امام مالک کی موطا امام مالک میں بیان شدہ روایات کی تکذیب کرتے ہیں۔ ۴۹ ؎

اہلِ مغرب کے مآخذ و مصادر پر تنقید کرتے ہوئے سید سلیمان ندوی مزید لکھتے ہیں:

''عام تحقیقات کے ضمن میں ان کا سارا دارومدار کتب سیرت و مغازی پر ہوتا ہے، لیکن ان کتب میں رواۃ اکثر و بیشتر قابلِ اعتماد نہیں ہوتے۔ ان کی شہادت کسی معمولی واقع کے لئے تو قبول کی جا سکتی ہے لیکن کسی فیصلہ کن اہم مسئلہ میں ان کی رائے پر کوئی فیصلہ صادر نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمانوں کے ہاں مستند اور فیصلہ کن حیثیت انہی روایات کو حاصل ہے جو کتبِ حدیث میں صحیح اسناد کے ساتھ مروی ہیں''۔ ۵۰ ؎

مستشرقین کے مآخذ تحقیق کے بارے میں حسین ہیکل لکھتے ہیں۔

''مستشرقین نے اپنی تحقیقات کی بنیاد ان کتابوں کو بنایا ہے جو رطب و یابس سے آلودہ ہیں۔ مزید خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب یہ لوگ لکھتے وقت صحیح اور غیر صحیح روایت میں فرق کئے بغیر دلائل اور شواہد حاصل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غلط اور کمزور بنیادوں پر تعمیر ہونے والی عمارت میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں''۔ ۵۱ ؎

مستشرقین کی تحقیقات کے مآخذ کے بارے میں ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی لکھتے ہیں کہ اگر ان لوگوں کے اصولِ تحقیق کا جائزہ لیں تو یہ اصول سامنے آتے ہیں۔

1. اپنے مقصد کو ثابت کرنے کے لئے ہر گری پڑی روایت کی تلاش میں رہنا
2. صریح اور قطعی عبارات کو غلط معانی پہنانا
3. خوبیوں کو خامیوں کے قالب میں ڈھالنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

4. اہلِ مشرق کی خوبیوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنا۔۵۲؎

حسین ہیکل اس سلسلے میں لکھتے ہیں مستشرقین اسلام کے بارے میں تحقیقاتؑ کے دوران مندرجہ ذیل اسباب کی بنا پر غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں:

1. عربی زبان میں عدم دسترس ان کی علمی لغزشوں کا ایک سبب بنی ہے۔ یہ لوگ عربی زبان کے اسرار ورموز پر ادراک سے قاصر ہیں۔

2. یہ لوگ اسلام کے خلاف تعصب میں مبتلا ہیں۔ اس وجہ سے نہ صرف اسلام بلکہ دنیا کے کسی بھی مذہب کے خلاف بات کرنے سے وہ چوکتے نہیں ہیں۔

3. جدید علوم میں دسترس حاصل کرنے کے بعد یورپی اقوام کو مذہب سے نفرت ہوگئی ہے۔ اسلام پر قلم اٹھاتے وقت ان کی عصبیت میں جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ حقیقت اور ان کے درمیان بعدالمشر قین پیدا ہو جاتا ہے۔۵۳؎

حسین ہیکل لکھتے ہیں کہ اگر اسلام کے بارے میں لکھتے ہوئے ان کی نیت درست بھی ہو، تب بھی اس وجہ سے غلطی کر جاتے ہیں کہ ان کا علم ناقص ہوتا ہے۔ عربی زبان سے ناواقف ہونے کی وجہ سے وہ لکھنا کچھ چاہتے ہیں تو لکھ کچھ اور چیز جاتے ہیں۔ ہیکل کے خیال میں مستشرقین اسلام کے بارے میں لکھتے ہوئے غیر جانبدار نہیں رہ سکے کیونکہ وہ اپنے مخصوص پس منظر کے اثرات سے اپنے آپ کو مبّرا نہیں رکھ سکے۔۵۴؎

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی لکھتے ہیں وہ اصول جو مستشرقین نے مسلمانوں کے علوم کی تنقید کے لئے استعمال کئے ہیں خود ان کی تحقیقات پر استعمال کریں تو یقیناً یہ مغربی تہذیب وتمدن اور اس کے سربرآوردہ رجال کی ایک ایسی مضحکہ خیز صورت اور ذلت آمیز شکل میں سامنے آئیں گے کہ غیروں سے پہلے خود یہ مستشرقین اپنی تحقیقات کا انکار کرنے لگیں گے اور وہ اپنی تصویر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور اس کے بعد شائد وہ محسوس کرلیں کہ یہ طریقِ جرح وتعدیل جس سے وہ ہماری تاریخ و تمدن اور ہمارے دین و مذہب کی ''حقیقت'' معلوم کرنے کے لئے استعمال کرنے کے مدعی ہیں وہ کس طرح خود ان کے لئے وبال جان بن گیا۔ تب جا کر ممکن ہے کہ یہ مستشرقین اس مسخ وتحریف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے ، ناواقف لوگوں کو گمراہ کرنے اور کسی تہذیب و تمدن کی عمارت کو منہدم کرنے کی جسارت کرنے میں کچھ عار محسوس کریں ۔ ۵۵؎

تحقیق سے پہلے ہی مقاصد کا تعین:

محققین کے ہاں جو عالمگیر اور منطقی ضابطہ اخلاق رائج ہے اور جس ضابطے پر پوری اترنے والی تحریرات کو ہی تحقیقی دستاویز کہا جا سکتا ہے، اس ضابطے میں اس بات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے کہ تحقیق کے آغاز سے قبل ، طے شدہ مقاصد کے تحت تحقیق نہ کی جائے اسی طرح ایک مطلوبہ نتیجہ پہلے ہی طے نہ کر لیا جائے اور پھر اس کے مطلوبہ نتیجہ حاصل کرنے کے لئے واقعات کو توڑ موڑ کر پیش کیا جائے ۔

علامہ اقبال مستشرقین کی کتب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یورپین کتابوں میں سے اکثر بلا شبہ خاص اغراض کو مدنظر رکھ کر تصنیف کی گئی ہیں ۔ (مثلاً تبلیغی ، سیاسی ، تجارتی وغیرہ) ۵۶؎

مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں ۔

''مستشرقین پہلے ایک مقصد تجویز کرتے ہیں ۔ ایک بات طے کر لیتے ہیں کہ اس بات کو بہرصورت ثابت کرنا ہے ۔ پھر اس کے ثبوت تلاش کرتے ہوئے ہر طرح رطب و یابس ، مذہب و تاریخ ، ادب ، افسانہ ، شاعری ، مستند اور غیر مستند ذخیرہ سے مواد فراہم کرتے ہیں ۔ اور جہاں سے ان کی مطلب براری ہوتی ہو اس بات کو بڑی آب و تاب کے ساتھ پیش کرتے ہیں ۔ اس متفرق مواد سے ایک نظریے کا پورا ڈھانچہ کھڑا کر لیتے ہیں جس کا وجود صرف ان کے اپنے ذہن میں ہوتا ہے ۔ یعنی جہاں سے مواد حاصل کیا جا رہا ہوتا ہے، اس تحریر کے لکھنے والے کے ذہن کے کسی گوشے میں وہ مفہوم و مقاصد ہوتے ہی نہیں ہیں جو یہ لوگ حاصل کر لیتے ہیں ۔ ۵۷؎

مستشرقین جس پس منظر کے تحت تحقیقات کرتے ہیں، اس کے تحت وہ کبھی تو کامیاب ہو جاتے ہیں اور کبھی حقیقت تک پہنچنے کی بجائے ادھر اُدھر بھٹکتے پھرتے ہیں ۔ اور اسی دوران وہ اپنا نشانِ منزل ہی بھول جاتے ہیں ۔ ان کے بھٹکنے کے اسباب کے بارے میں ہیکل لکھتے ہیں کہ ہر محقق کا فرض ہوتا ہے کہ وہ دقتِ نظر اور حسن نیت کے ساتھ حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کرے ۔ ہر قسم کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اغراض ومقاصد سے قطع تعلق ہوکر وہ ایک ایسی راہ اختیار کرے کہ کوئی بھی خارجی اثر اس کو متاثر کر کے غیر جانبدارانہ اور دیانتدارانہ تحقیق کی راہ سے ہٹا نہ سکے۔ کسی محقق کو خود کسی بحث میں نفی اثبات، کسی بھی اعتبار سے اپنے آپ کو فریق نہ بنانا چاہیے۔ اسے جہاں کہیں کوئی نقص یا سقم نظر آئے اس کے اظہار یا اعتراف میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔ جو چیز سچی، حقیقی اور درست ہو اس کی تصدیق بلا تامّل کرے۔ مصنف کے خیال کے مطابق مستشرقین کے ہاں یہ بات موجود ہے کہ وہ اپنے عقائد کے اثر سے اپنی تحقیقات کو مبرّا نہیں رکھ سکے۔ ان کے ذاتی رجحانات ان کی تحقیقات میں دخل انداز ہوئے ہیں۔ ۵۸

مریم جمیلہ اس سلسلے میں لکھتی ہیں۔ ''دنیائے مغرب کے لئے اسلام کا معروضی مطالعہ ناممکن ہو چکا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی آنکھوں پر سیاہ عینک چڑھالے تو جب تک وہ اسے اتارتا نہیں اس کی نظر مسخ شدہ ہی رہے گی۔ علی ہذا القیاس، جب تک مغربی تہذیب کے پورے کے پورے کردار کی قلبِ ماہیت نہیں ہوتی، چند اِکادُکا افراد کی امکانی مستثنیات کے ساتھ، ہم مسلمان ان سے کسی اور طرزِ عمل کی توقع نہیں کر سکتے۔ ۵۹

اسلام کے بارے میں تحقیقات کے دوران مستشرقین کی لغزشوں کی چند مثالیں:

گزشتہ صفحات میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ مستشرقین نے اسلام کے بارے، میں حقائق کو مسخ کر کے پیش کرنے کی دانستہ کوشش کی ہے۔ آئندہ سطور میں ہم اس کی تائید کے لئے ان لوگوں کی کتابوں سے چند مثالیں پیش کریں گے تا کہ ان کی علمی حیثیت کا اندازہ ہو سکے۔ G.L.Berry کی معلومات اس حد تک ناقص ہیں کہ وہ کہتا ہے کہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات مکہ میں ہوئی۔

(i) فلوگل (Flugel) ایک معروف مستشرق ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کا ایک انڈکس تیار کیا ہے۔ قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔ 1842ء میں قرآن مجید کی ایک لغت چھاپی۔ اس لغت میں انہوں نے ۳۹ الفاظ کے مادّے بھی غلط لکھے اور ان مادّوں کی بنیاد پر ان الفاظ کے معانی ہی بدل ڈالے۔ ان میں سے چند مثالیں:

i۔ اثرن۔ اس کا مادہ ''اث ر'' قرار دیا حالانکہ اس کا مادہ ''ث ور'' ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ii۔ مخانص۔ اس کا مادّہ ''خ وض'' قرار دیا حالانکہ صحیح مادّہ ''م خ ض'' ہے۔

iii۔ استبقوا۔ کا مادّہ ''ب ق ی'' قرار دیا حالانکہ صحیح مادّہ ''س ب ق'' ہے۔

iv۔ قرن۔ کا مادہ ''ق رن'' قرار دیا حالانکہ صحیح مادّہ ''وق ر'' ہے۔

v۔ مقیلا۔ کا مادّہ ''ق ول'' قرار دیا حالانکہ صحیح مادّہ ''ق ی ل'' ہے۔

فواد عبدالباقی نے معجم المفہرس کے آغاز میں فلوگل کی مذکورہ بالا قسم کی انتالیس غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔ ان مقامات پر مستشرق مذکور کو مغالطہ لگا ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآنِ مجید کے ۳۹ الفاظ کے مادّے غلط طور پر بیان کرنا، اس کی عربی دانی کا پول کھولنے کے مترادف ہے۔ اور عربی میں مادّوں کے بدلنے سے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ۵۷ء

اس کے علاوہ بھی ہم مستشرقین کی ایسی اغلاط کی نشاندہی کر سکتے ہیں جو محض اغلاط اور فروگذاشتیں ہی نہیں بلکہ ایسی غلطیاں ہیں جن سے قرآن کے معانی پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ اور یا پھر کسی مقام پر قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اس کے معجزانہ اسلوب پر زد پڑتی ہے۔ مستشرقین بعض جگہوں پر قرآن مجید کے الفاظ، دوسرے الفاظ کے ساتھ بدل کر پیش کرتے ہیں۔ جو لوگ قرآن کے حافظ یا ماہر نہیں ہوتے وہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ یہاں تحریف ہوئی بھی ہے یا نہیں۔ اس کی ایک مثال سورۃ الاعراف کی آیت میں "اقرب الموارد" کے مؤلف سعید الخوری کی تحریف ہے۔ سورۃ الاعراف میں ہے "ولا یدخلون الجنة حتی یلج الجمل فی سمّ الخیاط" پادری مذکور نے ''یلج'' کی جگہ ''یدخل'' اپنی طرف سے داخل کر دیا ہے۔ بادی النظر میں یہ تبدیلی شاید زیادہ بڑی نظر نہ آئے۔ لیکن ایک تو اس سے قرآن کے لفظ میں تبدیلی واقع ہوئی جو کسی بھی طرح روا نہیں۔ دوسرے یہ کہ یلج کے لفظ میں یہ معنی تھا ''تنگ جگہ میں داخل ہونا''۔ اسی لئے جنت کی وسعت میں داخل ہونے کے لئے سوئی کے ناکے کی تنگی سے ''یلج'' کا لفظ آیا۔ جبکہ ''یدخل'' میں کوئی معنوی خصوصیت نہیں پائی جاتی۔ ۵۸ء گویا قرآن کی اصل فصاحت کو ختم کر دیا۔

ہمارے موضوع زیر بحث کی ایک مثال یہ ہے کہ مستشرق بروکلمان جو ''تاریخ الشعوب الاسلامیہ'' کے مصنف ہیں، عربی مسلمانوں کو عربوں کے مقابلے میں مختلف گوشوں سے ''رعیہ'' میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شمار کیا ہے۔ جس کا معنی عربی لغت میں ''بکری کا ریوڑ'' ہے۔ یہ معنی کرنے کا مقصد اس کے ذہن میں یہ ہے کہ مستشرق عربوں کی افضلیت اور برتری کے مقابلے میں عجمی مسلمانوں میں یہ احساس پیدا کرنا چاہتا ہے کہ عرب، غیر عربوں کو کم تر سمجھتے ہیں۔ رعیّہ کے لفظ سے اس نے استنباط کیا ہے کہ عرب، عجمی مسلمانوں کو ریوڑ کی حیثیت دیتے ہیں۔ ۵۹ے

یہ لفظ دراصل احادیث میں استعمال ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا۔

''الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہٖ فالاِمام الذی علی الناس راعٍ وھو مسئول عن رعیتہٖ والرجُلُ راعٍ علی اھلہٖ وھو مسئول عن رعیتہٖ والمرأۃ راعیۃ علی اھل بیت زوجہٖ وھی مسئولۃٌ عنھم''. ۶۰ے

ترجمہ: تم میں سے ہر شخص محافظ ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ لوگوں پر امام بھی ذمہ دار ہیں وہ اپنی نگہبانی کے بارے میں مسئول ہے۔ مرد اپنی بیوی اور اہلِ خانہ کا نگہبان ہے اور اس کے بارے میں اس سے سوال ہوگا۔ عورت اپنے گھر والوں کی ذمہ دار ہے اور اس ذمہ داری کے بارے میں اس سے بھی سوال ہوگا۔

مستشرق نے ''راع'' کا معنی صرف ''ریوڑ'' ہی بیان کیا ہے۔ حالانکہ اگر لغت کا سہارا لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ''راع'' کا معنی ''ذمہ دار'' اور ''پرسان حال'' بھی ہوتے ہیں۔ کلامِ عرب میں ''الراعی'' کا لفظ ''رئیس القوم'' کے لئے بھی مستعمل رہا ہے اس لفظ کے معنی کے ساتھ حفاظت ونگہبانی کا بھی مفہوم پوشیدہ ہوتا ہے۔ اسلام نے اس کا اطلاق قوم پر کیا ہے۔ بڑی حد تک اس لفظ کا اطلاق ''عوامی اور شعبی زندگی'' پر بھی کیا گیا ہے۔ مشکوۃ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حافظ ابنِ حجر نے فتح الباری جلد تیرہ، صفحہ ۹۶ پر اس سلسلے میں لکھا ہے ''راعی ایسا امانت دار مخلص محافظ ہوتا ہے جو پوری ایمان داری سے اپنی ذمہ داری محسوس کرے۔ وہ عدل اور مصلحتوں کا بھی خیال رکھے۔ لویس معلوف المنجد صفحہ ۲۸۷ پر لکھتے ہیں۔ راعی کا معنی ہے ڈرانا۔ گھبرانا، متعجب کر دینا، لوٹنا، خوش کن، سمجھدار، چرواہے کا بکریوں کو ڈانٹنا، ۔۔۔۔ بہادری سے متعجب کر دینا۔ کسی لغت، تاریخ یا حدیث کی کتاب میں یہ معنی نہیں کیا گیا کہ ''راع'' کا معنی عجمی لوگ ہیں۔ معلوم نہیں کس بنیاد پر عجمی لوگوں کا استثناء اور تخصص بنا لیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بروکلمان اس بات پر مصر ہے کہ عرب مسلمانوں نے عجمی لوگوں کو بھیڑوں اور بکریوں کی طرح دیکھا ہے۔ حالانکہ اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی دلیل نہیں کہ اس لفظ کا اطلاق بکریوں کے گلہ پر بھی ہوتا ہے۔ لیکن یہ کیسے متعین ہوسکتا ہے کہ لغت میں درج شدہ معانی کی طویل فہرست میں کسی ایک لفظ کا تعین کرلیا جائے جبکہ کوئی ایک بھی تاریخی قرینہ اس کے حق میں نہ ہو۔ ۶۱

پادری ہاوا" الفرائد الدریہ" میں "ع ن و" مادہ کے تحت "العوان" (اسیر عورتیں) کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ "Muslim Woman, Captive Woman"

حالانکہ "عوان" کا لفظ عام ہے یعنی اسیر عورتیں، ان کا تعلق خواہ کسی بھی مذہب سے ہو۔ لیکن اس نے غلط فہمی پیدا کرنے کے لئے اس کا معنی مسلمان عورتیں کر دیا۔ اس نے یہ معنی ایک حدیث مبارکہ "اتقوا اللہ فی النساء فانّھن عند کم عوان" ۶۲ اپنی بیویوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ تمہارے نکاح کی قید میں آچکی ہیں۔ "قیدِ نکاح" کا لفظ تو درحقیقت احساسِ ذمہ داری پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا گیا تھا لیکن پادری مذکور نے اسے غلط فہمی پیدا کرنے لئے استعمال کیا۔ ۶۳

اسی طرح "ج ن ب" کا معنی پادری ہاوا نے "Polluted Muslim" کیا ہے۔ یہ ایک مفہوم ہے جو مسلم اور غیر مسلم کے لئے بلا تخصیص بولا جاتا ہے۔ لیکن اس نے اسے مسلمان کے ساتھ مخصوص کر دیا۔ اس نے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں "To be in a state of legal impurity Moslem"

اسی پادری نے "اھل الصفة" کا معنی "Houseless people, Vagrant" کیا ہے۔ یعنی "بے گھر اور آوارہ لوگ"۔ پادری مذکور نے شر کا پہلو پیدا کرنے کے لئے آوارہ لوگ بھی معنی کر دیا۔ اہلِ الصفہ تو وہ حضرات گرامی ہیں جو گھر بار چھوڑ کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر رہ کر علمِ دین حاصل کیا کرتے تھے۔

المنجد میں "ط ل ق" کے تحت الطلقاء کا معنی یہ بیان کیا گیا ہے۔ "الطلقاء الذین ادخلوا فی الاسلام کرھاً" یعنی طلقاء وہ لوگ ہیں جنہیں جبراً اسلام میں داخل کیا گیا۔ حالانکہ یہ لفظ حضورؐ نے اس وقت استعمال فرمایا تھا جب فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے اپنے دشمنوں کو معاف فرما دیا تھا آپؐ نے فرمایا تھا۔ "اذھبوا انتم الطّلقاء" ترجمہ: جاؤ تم سب آزاد ہو۔ ۶۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سلسلے میں بہت سی احادیث کا حوالہ دیا جا سکتا ہے جن میں یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے کہ ''طلقاء'' آزاد کردہ لوگ ہیں ۔خود صاحب المنجد نے ''طلیق'' کا معنی ''غیر المقید'' لکھا ہے جو طلقاء کی جمع ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، مقتدرا قومی زبان، اسلام آباد، ص، ۳۹

۲۔ ایضاً، ص، ۳۹ ا ۴۰

۳۔ ایضاً، صفحہ، ۴۰، ۴۱

۴۔ ایضاً، صفحہ، ۴۲، ۴۳

5. Kirby Page, Jesus or christianity, New Yark, 1929, P. 91

اس سلسلے میں پروفیسر ظفر علی قریشی نے اپنی کتاب Prophet Muhammad and His Western Critics میں تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔ کتاب مذکور صفحہ، ۱۔۲۔

6. Loon, Hendrich, Van, The Tolrance, The Sun Dial Press, new Yark, 1939, P.114

7. Ibid. P. 114.

8. Hitti, P.K., Islam and the West, Van Nostrand, New York, 1962, P. 48.49

9. Said, Edward, orientalism, Routledge Kegan Paul, London, 1978, P.72.

10. Bagot, Glubbe, John, Life and times of Mohammad Hoadder and Soughter, London, 1970, P.89.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

11. Watt, Montgomery, Mohammad At Makka, P. 52.

12. Loofty Levonian, P. 109.

13. Stubbe, Henry, Rise and Progress of Mohametanism,orientalia, Lahore,1975,P.156

14. Ibid.

15. Ibid.

16. Watt, M.,Mohammad at Makkah, Oxford, 1953, P.2.

17. Imran, Muhammad, Distortions about Islam in the West, Malik Siraj Din, Lahore. 1979, P.12.13

18. Smith, W, Islam in the Modern History, Princetion University Press, New York, P.102.103.

۱۹۔ گستاؤلی بان، تمدن عرب (اردو ترجمہ از سید علی بلگرامی) صفحہ ۸۰

۲۰۔ شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ جلد اوّل، صفحہ ۹۵، ۹۶۔

21. Noldeke, Sketches From Eastern History, Khayat, Beruit, P.42, Encyclopaedea Britannaca, Encyclopae dia Ltd. London, Vol xiii, P. 483.

۲۲۔ اجمل، محمد، خاکٹر، ترتیبِ نزول قرآن مجید، کتب خانہ عزیزیہ، دہلی، ۱۹۴۱ء، صفحہ ۲۱

۲۳۔ ایضاً، صفحہ ۲۴

24. Khalipha, Mohammad, The Subbime Quran and Orientalism, Longman, London, 1983, P. 66.67.

25. Ibid.

26. Ibid.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

27. Ibid.

28. Ahmad Ali Mir, The Holy Quran, The Sterling Co:Karachi, 1964, P. 20 (a)

29. Ibid..

30. Ibid.

31. LanePool, Stanly, Selections From The Quran with an Interwoven Commentry, James Madden, London, 1843, P.116

32. Ahmad Ali Mir, P. 20(a)

33. Ibid., P . 20 (a)

34. Denison Ross, 187

35. Scott, S.P., History of the Moorish Empire in Europe, Philadelphia, 1904, P.269.

۳۶۔ (السباعی، مصطفیٰ، ڈاکٹر، السنة و مکانتها فی التشریع الاسلامی، صفحہ 366-365

37. Khalipha, Mohammad, P.66-67.

38. Ibid.

39. Berry, G.L.,Religions of the World, Barness and Boble, New Yark. 1964. P.61.

40. Ibid.

41. Ibid.

42. Ibid.

43. Ibid.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۴۔ نیازی، نذیر، سید، مکتوبات اقبال، اقبال اکیڈمی، کراچی، ۱۹۵۷ء، صفحہ ۹۷-۹۶

۴۵۔ (السباعی، مصطفیٰ، ڈاکٹر، السنة و مکانتها فی التشریع الاسلامی، صفحہ 365-366)

۴۶۔ شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، جلد اوّل، صفحہ ۶۹-۷۰۔

۴۷۔ ایضاً۔

۴۸۔ ہیکل، محمد حسین، حیاۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، مکتبہ النهضة العربية، قاہرہ، ۱۹۴۷، صفحہ ۲۸

۴۹۔ السباعی، مصطفیٰ، صفحہ ۴۴۶ ؟

۵۰۔ ہیکل، محمد حسین، حیاۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، صفحہ ۲۸

۵۱۔ ایضاً، صفحہ ۲۸

۵۲۔ السباعی، مصطفیٰ، صفحہ ۴۴۶ ؟

۵۳۔ نیازی، نذیر، سید، مکتوبات اقبال، اقبال اکیڈمی، کراچی، ۱۹۵۷ء، صفحہ ۹۷-۹۶

۵۴۔ ندوی، ابوالحسن علی، مولانا مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص ۲۶۰

۵۵۔ ہیکل، صفحہ ۲۸۔

56. Jamila Maryam, Islam and Orientalism, Maktba Ilmia, Lahore, 1971, P. 106

۵۷۔ فواد عبد الباقی، معجم المفرس لا لفاظ القرآن الکریم، مطبعہ دار الکتب المصریہ، قاہرہ، ۱۳۶۴ھ، صفحہ: و، ز۔

۵۸۔ سعید الخوری، اقرب الموارد فصح العربية و الشوارد، لبنان، جلد اول، صفحہ ۱۳۹ (زیر مادہ ج م ل)

59. Brockelmann, Carl, History of the Islamic People, (En. Tr) Jeol Carmichel, Kagan Paul, London, 1949, P. 165-166.

۶۰۔ خطیب تبریزی، ولی الدین، مشکوۃ المصابیح. کتاب الامارہ و القضاء۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

61. Brockelmann, Carl, History of the Islamic People, (En. Tr) Jeol Carmichel, Kagan Paul, London, 1949, P. 165-166.

۶۲۔ ہاوا، ـــ جے، جی، الفرائد الدریہ، عربی انکلیزی، کیتھولک پریس، بیروت، 1964ء، ص ۵۰۵

۶۳۔ ایضاً۔ص، ۱۰۰

۶۴۔ لوئس معلوف، یسوعی، المنجد فی اللغۃ والادب والعلوم، مطبعہ الکاثولیکیہ، بیروت، 1927ء، ص، ۴۸۸

© rasailojaraid.com